ڈاکٹر علمدار حسین بخاری

ڈائریکٹر، سرائیکی ایریا سٹڈی سنٹر

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

نو آبادیاتی تاریخی ڈسکورس اور فکشن: مماثلتیں اور امتیازات

Dr. Alamdar Hussain Bukhari

Director, Saraiki Area Study Centre

Bahauddin Zakariya University, Multan.

Colonial Historical Discourse and Fiction: Similarities & Differences

The narrative of history and the narrative fiction are two different genres but they have a number of similarities, parallels and sharing. Both of these narratives are constructions of words and they intend to communicate some meanings to the readers, therefore, they may be recognized as two identical discourse patterns. They consist of the narration of real or imagined events and characters. But they have a few basic differences and discriminations also since history relies on the factual events of the past while fiction is based on imagined facts, events and characters. History never claims to be complete but a piece of fiction (both novel and short story) is understood to be a whole in itself. We have tried to compare the narrative of history and narrative fiction in this article by emphasizing on this idea that both of these discourse patterns share the styles, techniques and insights of one another. The contemporary historians and the fiction writers are well aware of this phenomenon and they try to benefit from both in their writings. Especially in the subcontinent it has been a very tricky job as during colonial era the history of the subcontinent was constructed and re-narrated to suit the objectives of Empire.

تمام جدید سماجی علوم کا اس بات پر لگ بھگ اتفاق ہے کہ انسانی تہذیب کی صورت گری اُس وقت ہوئی جب انسان نے کلام کرنا سیکھا اور پھر ایک عرصہ میں انسان کے کلام سے کہانی نے جنم لیا۔گزرتے وقت کے ساتھ کہانی نے خود انسان کو اپنے

گھیرے میں لے لیا اس کے بعد انسان نے خود اپنے آپ کو سمجھنے کے لیے کہانیوں کا سہارا لیا، اس لیے اُس نے کہانی ہی کے طرز پر اپنی سرگزشت سنانے کی کوشش کی جو صدیوں کے دورانیے میں انسان کی پوری نوع کی سرگزشت بنی تو تاریخ کہلائی ۔ کہانی اور تاریخ دونوں انسانی کلام/ ڈسکورس کی تشکیلات ہیں جو انسان نے خود اپنی ذات اور اپنی نوع کے امکانات کی تفہیم وتعبیر کے لیے بنائیں ۔ کہانی اور تاریخ دونوں ہی انسانی زندگی کی انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر رمز کشائی کرتی ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ انسان خود ان کی تشکیل کرتا ہے اور پھر ان میں خود اپنا ہی عکس دیکھتا ہے۔

قبل از تاریخ صدیوں کے عمل میں ہر خطے اور ہر قوم کے اپنے اپنے اساطیر اور دیو مالائی قصے تشکیل پاتے رہے۔ جن سے انسان نے بنی نوع انسان کی سرگزشت اور اس کے فطرت اور مظاہر فطرت کے ساتھ رشتوں کی تفہیم کے ابتدائی انداز تراشے بیسویں صدی کے اوائل تک عام طور پر انہیں بے سرو پا خیال آرائیاں، بے پر کی اڑانیں اور خرافات قرار دے کر نظر انداز کیا جاتا رہا لیکن پھر ماہرین علم انسانیات(Anthropology) اور علم الاساطیر(mythology) اور جدید دور میں ماہرینِ لسانیات نے انھی کی مدد سے انسانی زندگی کے آغاز و ارتقاء کی تاریخ کو مرتب کرنے میں مدد لی۔ تاریخ بھی تو انسانی زندگی کی ایک ایسی مربوط کہانی بیان کرنے کے لیے کوشاں تھی جس کی بنیاد حقیقت واقعہ پر استوار ہو۔ اب اگر تاریخ کے بیانیے میں بعض کھانچے اور رخنے رہ گئے ہیں اور کئی واقعاتِ گزشتہ کا سُراغ ملنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تو پھر دیو مالا اور اساطیر کے بظاہر متصوّرہ واقعات سے مدد لے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

تاریخ اور کہانی کا ازل کا ساتھ ہے کیوں کہ جیسے کہا گیا شاید تاریخ نے کہانی سے جنم لیا یا شاید معاملہ اس کے برعکس ہی ہو لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی حدیں جدا ہوتی چلی گئیں اور ان میں باقاعدہ امتیاز کیا جانے لگا۔ تاریخ نے واقعی حقیقت سے اپنے رشتے مضبوط سے مضبوط تر کیے لیکن کہانی اس دوران میں کئی روپ (رزمیہ، رومانس، داستان، حکایات، ناول اور مختصر افسانہ وغیرہ) بدلنے کے باوجود اپنی اصل سے (دیومالا، اساطیر، لوک کہانیوں) سے زیادہ دور نہیں ہوئی۔ یورپی استعمار اور نظامِ نو آبادیات کے تشکیل کردہ علم اور نظریۂ علم کے تحت حقیقت اور افسانہ(Fact and Fiction) کو ایک دوسرے کے متضاد سمجھا جانے لگا کیوں کہ اس کے مطابق افسانے کی بنیاد تخیّل وتصوّر پر اٹھتی تھی اور تاریخ حقائق، جو صدیوں کے دورانیوں میں وقوع پذیر ہو چکے واقعات اور حالات کے سائنسی مطالعے، تجزیے اور پیش کش کا دعویٰ کرنے لگی۔ ارسطو کی یہ بات ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی بہت اہم تسلیم کی جاتی ہے:

> ’’--- تاریخ اس چیز کو بیان کرتی ہے جو ہو چکی ہے جب کہ شاعری اس قسم کی چیزوں کو سامنے لاتی ہے جو ہو سکتی ہیں۔ اس وجہ سے شاعری بمقابلہ تاریخ کے زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ قابل توجہ ہے۔ شاعری آفاقی صداقتوں سے سروکار رکھتی ہے جب کہ تاریخ مخصوص واقعات سے سروکار رکھتی ہے۔‘‘[۱]

آج علم تاریخ بے پناہ وسعتوں کا حامل ہو چکا ہے اور اس نے زندگی کی بہت سی ایسی حقیقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جو ارسطو کے دور میں اس کے احاطہ سے باہر سمجھی جاتی تھیں اس لیے بعض تاریخ دان اب شاید ارسطو کے اس بیان کو تسلیم نہ کریں۔ لیکن جدید دور میں اگرچہ شعرو ادب کی وسعتیں بھی بے کنار ہو گئی ہیں لیکن ارسطو کی بوطیقا آج بھی شاعری اور ادب کی تفہیم کیلیے

ایک بنیادی دستاویز ہے اور ارسطو کے شاعرانہ صداقت اور تاریخی صداقت کے تصوّرات کو جدید ادبی تھوری میں اب بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

تاریخ میں چاہے کتنی ہی بصیرتیں پنہاں ہوں یا عیاں ہوں اس کی اصل بنیاد بصارت، سماعت اورحسّی تجربے کی گرفت میں آنے والے واقعی، دنیوی اور سماجی حوالوں پر اُٹھتی ہے لیکن ادب (اور ہم اس وقت خود کو صرف افسانوی ادب تک محدود کر رہے ہیں) مشاہدے اور تجربے سے کچھ سوا بھی ہے کیوں کہ یہ انسان کی داخلی بصیرت، جذبے اور تخیّل پر انحصار کرتا ہے یعنی وہی ارسطو والی بات کہ ''شاعری آفاقی صداقتوں سے سروکار رکھتی ہے۔'' [ارسطو کے زیرمطالعہ المیہ (tragedy) رزمیہ (epic) اور طربیہ (comedy) وغیرہ بھی تو کہانیوں کے شعری روپ ہی تھے] شاعری اور دیگر فنون ایسی چیزوں کو سامنے لاتے ہیں جو ہوسکتی ہیں، یہی منصب افسانہ بھی روا کرتا ہے لیکن فکشن (خصوصاً حقیقت پسند فکشن) اب ایسی ماورائے تجربہ انسانی صداقتوں کے اظہار کا مدعی بھی نہیں ہے کہ جن کا محض تصوّر کیا جاسکتا ہو اور انسانی تجربے اور مشاہدے کی دنیا میں ان کا ہونا ممکن نہ ہو بلکہ یہ تو انسان کی واقعی اور حقیقی سماجی و انفرادی زندگی کی فنی عکس گری کا مدعی ہے اور بس۔ اس اعتبار سے حقیقت پسند فکشن دوسری اصناف ادب کی بہ نسبت تاریخ کے بیانیے کے کہیں زیادہ قریب آ جاتا ہے اور یہ بات تو ایک قدیم داستان بوستانِ خیال کے اردو مترجم خواجہ امان دہلوی کو بھی معلوم تھی اور اس نے بوستانِ خیال کی ایک جلد 'حدائق الانظار' کے ابتدائیے میں ''نفس قصہ کے واسطے چند مراتب لازم و واجب'' کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا تھا:

''--- قصہ میں بجنسہٖ تواریخ گزشتہ کا لطف حاصل ہو، نقل و اصل میں ہرگز فرق نہ ہو۔''[۲]

یہاں قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ خواجہ امان دہلوی داستان کو ''بمطابق تواریخ گزشتہ' کہتا ہے ''تاریخ'' نہیں کہتا یعنی ان دونوں کی باہمی مماثلتوں کے باوجود تاریخ اور افسانے کا فرق ہر دور کے قصہ گو کو معلوم تھا۔ البتہ اس کا ایک اہم ترین مسئلہ ہمیشہ یہ رہا کہ اس کی کہانی کو بالکل اسی طرح قابل یقین سمجھا جائے جس طرح تاریخ گزشتہ کے واقعات کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں مثلاً تاریخ اور افسانے (حقیقت پسند) کی بنیاد ہمیشہ واقعے (event) کے بیان پر استوار ہوتی ہے اور ''واقعہ ایک طویل یا مختصر دورانیہ کا وقوعہ (happening) ہوتا ہے جو ایک موجود مخصوص صورتِ حالات میں تبدیلی لاتا ہے بلکہ ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ ''واقعہ ایک موجود صورتِ احوال میں متصوّرہ تبدیلی ہے؛ ایک ایسی تبدیلی جس پر ہم اس لیے توجہ دیتے ہیں کیوں کہ ہم (چاہے بصری اعصاب، حافظے، دستاویزات یا اطلاع کے دیگر ذرائع سے) پہلے اور بعد کی دونوں صورت ہائے احوال سے آگاہ ہوتے ہیں[۳] اپنی روزمرہ زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں ہمیں عموماً پریشان نہیں کرتیں اس لیے روزمرہ زندگی کی عام تبدیلی کے بجائے یہی متصورہ تبدیلی (percieved Change) ہمیں حیرت میں ڈالتی ہے علاوہ ازیں تاریخ اور فکشن میں احوالِ واقعی اپنی اہمیت کا ہر دم احساس دلاتے ہیں کیوں کہ:

الف: واقعہ انفرادی کے بجائے اجتماعی تعبیر کا حامل ہوتا ہے۔

ب: تاریخ کے تناظر میں واقعہ ایسی تبدیلیوں کا باعث ہوتا ہے جو صرف باعث توجہ ہی نہیں ہوتیں بلکہ یاد رکھی جاتی ہیں اور ریکارڈ پر لائی جاتی ہیں۔

د: واقعہ کی کوئی طوالت متعین نہیں کی جا سکتی، یہ پلک جھپکتے میں بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور دنوں، مہینوں اور برسوں بلکہ صدیوں پر بھی محیط ہو سکتا ہے(۹/۱۱ کا واقعہ، گولی سے کسی سربراہِ مملکت کی موت، کوئی پوری جنگ، انقلاب فرانس یا انقلاب روس، انسانی سماج کے ارتقاء کا ایک مرحلہ مثلاً زراعت کا آغاز، صنعتی انقلاب وغیرہ انسانی تاریخ کے اہم ترین واقعات بھی ہیں اور سلسلہ ہائے واقعات بھی)

ھ: ایک بڑے واقعے کو مختلف مدارج یا ضمنی واقعات میں منقسم کیا جا سکتا ہے لیکن یہ تقسیم لامحدود نہیں ہو سکتی۔

و: ایک واقعے کی کوئی ایک متعین جہت نہیں ہوتی بلکہ اس کی مختلف جہتوں کا تعین بھی آسان نہیں ہوتا۔ (اگر روایتی تنقید میں فکشن میں علت و معلول (Cause and effect) کی اہم ترین شرط کی واقعے کی ایک واضح جہت نمائی کو تسلیم کرتی ہے لیکن فکشن کی نئی اور پس جدید تنقید اس تصوّر سے لگ بھگ مکمل طور پر کنارہ کش ہو گئی ہے)

ز: واقعہ کوئی معروض (object) یا شے نہیں ہوتا، اگرچہ اس پر ایسا شبہ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ بہر حال حقیقی دنیا کا حصہ ہوتا ہے۔

ح: تاریخی واقعات کوشش کے باوجود عمومیتوں (generalities) میں سموئے نہیں جا سکتے اور نہ ان کے مطالعے سے کوئی حتمی فارمولے وضع کیے جا سکتے ہیں۔(اگرچہ اس کی کوششیں ہمیشہ ہوئی ہیں)

ط: انسانی زندگی کی ایک مخصوص حقیقت کو ایک مخصوص توضیح اور بیان میں ایک واقعہ یا صورت احوال قرار دیا جا سکتا ہے۔

ص: حقیقت اور واقعہ میں فرق یہ ہے کہ حقائق بیان کیے جاتے ہیں اور واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے اگرچہ بیان کیے بغیر کوئی وقوعہ واقعہ بنتا ہیں۔ واقعات بھی بیانیے کا روپ دھار کر ہی تاریخ یا فکشن کا حصہ بنتے ہیں۔

ض: واقعہ ایک زمانی اور مکانی جائے وقوع رکھتا ہے جب کہ حقیقتِ واقعہ (Fact) کے لیے یہ ضروری نہیں۔

ع: واقعاتی حقیقت کی تصریح (description) کا کوئی حصہ غلط یا صحیح ہو سکتا ہے لیکن واقعات دنیا کا حصہ ہونے کی بناء پر غلط یا صحیح نہیں ہوتے بلکہ بس ہوتے ہیں۔

مؤرخ بھی واقعات پر اپنے بیانیے کو تعمیر کرتا ہے اور افسانہ نگار بھی انہی سے اپنے افسانے کا تانا بانا تیار کرتا ہے لیکن استعمال واقعہ میں دونوں میں فرق یہ ہے کہ افسانہ نگار حسب ضرورت اور حسب منشاء ایسے نئے واقعات تخلیق یا ایجاد کر سکتا ہے جو حقیقی دنیا میں کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئے لیکن اسے یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ بیانِ واقعہ میں ''بجنسہٖ تواریخ گزشتہ کا لطف'' حاصل ہو، کیوں کہ تاریخ سے مماثلت اس کے افسانے کی مجبوری ہوتی ہے لیکن مؤرخ کے ہاتھ واقعاتی حقیقت سے بندھے ہوتے ہیں۔ وہ تاریخی واقعات میں انتخاب تو کر سکتا ہے(واقعات کے انتخاب کے وقت معروضیت کے دعووں کے باوجود تاریخ نگار کی شخصی پسند، ناپسند اور موجوعیت سے یکسر اور کامل گریز ممکن نہیں ہوتا، یہی چیز اُسے افسانہ نگار کے ہم رکاب لا کھڑی کرتی ہے) لیکن ان میں کسی قسم کی قطع و برید یا ترمیم کا حق اسے حاصل نہیں ہوتا۔تاریخ اور فکشن/ افسانے کے بیانیوں میں محض یہی امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کے موازنے

سے کئی اور امتیازات اور مماثلتیں سامنے آتی ہیں۔ اکثر تو یہ مماثلتیں اور امتیازات باہم اپنی جگہیں بدلتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں ہم تاریخ اور فکشن کے بیانیوں کے ڈسکورس یا لسانی ساخت میں سے یہاں چند ایک کا ذکر کریں گے:

الف: ابتدائیہ یا آغاز: افسانے میں راوی آغاز کرنے کے لیے کسی ایسے شخص یا واقعے کو منتخب کرتا ہے جو گزشتہ واقعات کے عندیے کے ساتھ ہی بعد میں آنے والے واقعات یا بیانات کے لیے اہمیت اور معنی خیزی کا حامل ہو۔لیکن تاریخ نگار/ مؤرخ آغازِ بیان کے لیے زیادہ الجھن میں ہوتا ہے کیوں کہ وہ تاریخ کے تسلسل کو اپنی مرضی سے توڑنے مروڑنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

ب: موضوع: فکشن میں موضوع (subject) بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور یہ دراصل دوران زیست انسان کے انفرادی اور اجتماعی عمل کو فوکس کرتا ہے۔ افسانوی بیانیہ فکشن کے کرداروں کے اعمال (action) اوران کی معنی خیزی کو آشکار کرنے کی کاوش کرتا ہے مثلاً منٹو کے افسانے ''ہتک'' میں 'سوگندھی'، بیدی کے ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' میں 'اندو' احمد ندیم قاسمی کے ''گنڈاسا'' میں 'مولا' قرۃ العین حیدر کے آگ کا دریا کا گوتم ،عبداللہ حسین کے اداس نسلیں کا نعیم اور فکشن کے دیگر کردار برصغیر میں نو آبادیاتی صورت حال میں انسانی زندگی کی ہنگامیت کے کسی پہلو یا کسی انسانی اور تہذیبی قدر کو پیش کرتے ہیں وغیرہ۔فکشن میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ ہیرو سے زیادہ کہانی کا عمل یا عمل کی آگہی اس کا مرکز ہوتے ہیں اور یہ مرکزی شعور لازماً ہیرو یا ہیروئن ہی کا نہیں ہوتا بلکہ مشاہدہ کرنے والے یا قاری کا بھی ہوتا ہے، مرکزی کردار کی زندگی یا بصیرت سے افسانے کا قاری خود کو مشخص (identify) کرسکتا ہے۔لیکن تاریخ میں ایسی باتوں کی کی گنجائش کم کم ہوتی ہے۔اگرچہ ہوتی ضرور ہے ،بعض اداروں کے افراد میں خالد بن ولیدؓ، صلاح الدین ایوبی یا محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری بننے کے خواب ان تاریخی شخصیات جیسا بن جانے کی خواہش کی عکاسی کرتے ہیں۔

ج: کردار:فکشن کے عمل میں افسانوی کردار لازمی حصہ دار ہوتے ہیں اور کہانی کی دلچسپی کا دارو مدار چھوٹے بڑے کرداروں کے باہمی تعاون وتعامل اور تضادات وکشاکش اور ان کے مقدر اور انجام پر ہوتا ہے۔لیکن تاریخ اپنے قاری کو ایسی کوئی آسائش فراہم نہیں کرتی۔ مؤرخ کے زیرمطالعہ افراد وکردار ہمیشہ نہ واضح اور نمایاں ہوتے ہیں اور نہ ہی متضاد ہوتے ہیں۔نہ وہ ان کرداروں کی موجودومعلوم تاریخی مواد اور سیاق سے گریز کرکے توجیح کرسکتا ہے۔

د: پلاٹ: پلاٹ کی جدید تنقید کے نظریہ سازوں نے اس کی متنوع اور بصیرت افروز توضیحات کی ہیں لیکن ہم حقیقت پسند فکشن کے روایتی تصوّرات تک محدود رہیں گے جس کے مطابق یہ فکشن/ افسانہ میں بیان کردہ واقعات کی منطقی اور منظّم ترتیب ہے۔ افسانے میں واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی زمانی ترتیب کو افسانوی بیانیے (narrative) میں غیرضروری سمجھا جاتا ہے اور انہیں یوں ترتیب دیا جاتا ہے کہ کہانی کو قاری یا سامع بطور ایک کل کے اپنی گرفت میں لے سکے،حقیقت پسندانہ فکشن کی مروّجہ تنقید کے مطابق پلاٹ ایک ایسا کل ہے:

۱- جس کا ایک سوچا سمجھا آغاز اور منطقی انجام ہوتا ہے اور جس کا ہر حصہ اپنے کل کے ساتھ یوں جڑا ہوتا ہے کہ ہر حصے کا انحصار دوسرے پر ہوتا ہے۔

۲- جو ایک ایسا کل ہوتا ہے جس میں کسی بھی ضروری چیز کی کمی نہیں ہوتی۔

۳- جو خود اپنے ہی اجزاء کے مجموعے سے بڑا اور عظیم تر ہوتا ہے۔

۴- یہ بامعنی ہوتا ہے اور ایک ایسا تاثر واحد خلق کرتا ہے جو قاری کے ذہن پر طاری ہو جاتا ہے کیونکہ یہی اس کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔

۵۔ جو قاری کے ذہن میں ایک جمالیاتی احساس اور بصیرت کو جنم دیتا ہے۔

فکشن کا پلاٹ ایسے تاریخ نگاروں کے لیے خاص طور پر ایک بڑی ترغیب بنتا ہے جو اپنی تاریخ کو کسی نہ کسی حوالے (اخلاقی، مذہبی، قومی، نسلی وغیرہ) سے ''نتیجہ خیز'' بنانا چاہتے ہیں اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اپنے قارئین کو بھی گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں اور یہ تاریخی ڈسکورس کو واقعات کی ایسی توضیح سمجھتے ہیں جو اس کے واضح مواد کا تعین کرتی ہے۔تاریخ کے بیانیے میں افسانوی پلاٹ کی اس تعمیر سے تاریخ ایسی کہانی کی ہئیت اختیار کر لیتی ہے جس میں آغاز، وسط اور انجام کے مراحل کی شناخت کی جاسکتی ہے اور جو تاریخ کی پیچیدگیوں کو سہل بنانے کی مجرمانہ کوششیں قرار دی جاسکتی ہیں اور جو سائنٹیفک ہونے کے بجائے ایک شعری معاملہ لگتا ہے کیوں کہ

> The events may be "given", but their functions as elements of a story are imposed upon them and are imposed by discussive techniques more tropical than logical in nature.[4]

علاوہ ازیں تاریخی واقعات کی ایک روزنامچہ (chronicle) کی اور ایک کہانی کی شکل میں ماہیت قلبی خود مؤرخ کی اپنی ادبی وثقافتی روایت کی فراہم کردہ افسانوی پلاٹ کی مختلف اقسام کی ساختوں میں سے بعض کے انتخاب کا تقاضا کرتی ہے ،افسانوی پلاٹ کا ایک مخصوص تاریخی صورت حال کو پیش کرنے کے لیے انتخاب کا معاملہ کچھ آسان نہیں ہے۔ تاریخ کے دورانیے میں پہلے سے وقوع پذیر ہوچکے متعیّن واقعات میں سے رَدو انتخاب کا معاملہ ایک مربوط تاریخی بیانیے (پلاٹ کی طرح) کی تعمیر وتشکیل کے لیے تاریخ کو کوئی آزادی نہیں دیتا۔ بہرحال چاہے ہیڈن وہائٹ کے مطابق یہ معاملہ منطقی کے بجائے استعاراتی ہی کیوں نہ ہو تاریخ نگار کے لیے اس سے نمٹنا آسان نہیں ہوتا کیوں کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائے تو یہ کامیابی اُسے ''تاریخی اعتبار'' کی قیمت پر ملے گی۔یہ ایسی اعتبار کُش قیمت ہے جو کسی باشعور مؤرخ/تاریخ نگار کے لیے کبھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

ھ: **<u>ماحول/گردوپیش</u> (Setting):** فکشن (یا خصوصاً ڈراما کی سٹیج) میں ماحول ایسا انسانی، فطری یا مصنوعی پس منظر تشکیل دیتا ہے تاکہ یہ کہانی کے موڈ کو طے کر سکے مثلاً جین آئر، جین آسٹن، موپساں، چیخوف، ٹالسٹائی، دستوئیسکی، تھامس ہارڈی، ڈی ایچ لارنس، ماہم، اُوہنری، غلام عباس، منٹو، بیدی، احمد ندیم قاسمی، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، احمد علی، ملک راج آنند، عبداللہ حسین اور خدیجہ مستور وغیرہ کے بیشتر افسانوں اور ناولوں میں کردار اس سے اپنا تشخص حاصل کرتے ہیں لیکن تاریخ کے بیانیے میں ماحول تاریخی کرداروں کے تشخص کی تشکیل کے بجائے ان کے وسیع تر تاریخی سیاق وسباق کے تسلسل کا باعث بنتا ہے حتیٰ کہ بڑے سے بڑے تاریخی ہیرو اور بادشاہ بھی اس بڑے اور وسیع تر منظر کا ہی حصہ ہوتے ہیں اور اس

کے تسلسل سے ہٹ کر کچھ نہیں ہوتے جب تاریخ نگار ماحول کو جغرافیائی، معاشی، سماجی اور ثقافتی گردو پیش میں توسیع دیتا ہے تو یہ محض اداکاروں کے لیے سٹیج فراہم کرنے کے بجائے خود کہانی کا حصہ بن جاتا ہے، جو ایک معتبر تاریخ نگار کی مطلوبہ معروضیت کی نفی ہے۔

ماحول کے اعتبار سے فکشن اور تاریخ میں ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ افسانے میں ماحول غیر متبدل اور طے شدہ ہوتا ہے [(مثلاً تھیٹر میں جو کہانی کی ڈرامائی شکل ہے) کم از کم بعض دورانیوں کے لیے ہی سہی] لیکن تاریخ نگار جانتا ہے کہ تاریخی ماحول ہر لمحہ بدل رہا ہے، چاہے وہ وقتی طور پر اس بات کو نظر انداز ہی کیوں نہ کر دے۔ بعض غیر بیانیہ تواریخ میں ماحول (setting) کہانی اور اس کے کرداروں تک کی جگہ لے لیتا ہے۔

و: **ترتیب و تطابق زمانی:** فکشن میں واقعات توقع اور تجسّس خیزی کے تقاضوں کے تحت یکے بعد دیگرے لائے جاتے ہیں اور یہاں اتفاق محض کی گنجائش نہیں ہوتی، اگرچہ ہم عصر افسانہ نگار سائنسی طرز کے علت و معلول کا خیال کم ہی رکھتا ہے لیکن وہ حقیقی زندگی تک میں پیش آنے والے بے جواز اتفاقات محض کو افسانے کے بیانیے کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ علاوہ ازیں تاریخ نگار کے مسائل (اور وسائل بھی) اس سے مختلف ہوتے ہیں کیوں کہ:

اوّل: وہ واقعات کو ایجاد یا تخلیق نہیں کرتا بلکہ اس نے بیانیہ میں حقیقی گزشتہ واقعات کی موزوں ترتیبیں بنانی ہوتی ہیں اور اُنہیں معروضی انداز میں بیان کرنا ہوتا ہے۔

دوئم: اسے قاری کی (بلکہ خود اپنی بھی) دلچسپی کے لیے یہ طے کر کے دکھانا ہوتا ہے کہ واقعات کے کون سے سلسلے ترتیب زمانی کے مطابق اور کون سے اتفاقی اور حادثاتی ہیں۔

سوئم: تاریخ نگار/ مؤرخ کو فہم عامہ سے ذرا آگے جا کر سماج اور نفسیات کی مبہم اور پیچیدہ کی توضیحات بھی پیش کرنی ہوتی ہیں جو لازماً اس مخصوص عہد سے مناسبت رکھتی ہوں۔

چہارم: البتہ تاریخ نگار/ مؤرخ کو افسانہ نگار کے برعکس بیان واقعات میں اتفاق اور محض اتفاق کی قوت کو قبول کر لینے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

پنجم: تاریخ نگار/ مؤرخ کے لیے یہ ایک پریشان کن مسئلہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص تاریخی دور کی بیک وقت لاتعداد واقعات رونما ہو رہے ہوتے ہیں جنھیں تاریخی بیانیے میں سمو لینا بعض اوقات ممکن نہیں لگتا۔ لیکن اگر وہ ان واقعات کو بالکل نظر انداز کر دے تو تاریخ کی بعض اہم بصیرتیں نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

ز: **نقطۂ نظر:** فکشن میں تخلیق کار قصہ بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو نفس قصہ سے باہر بھی رکھ سکتا ہے اور خود کو اس کا حصہ بھی بنا سکتا ہے، (جیسے سعادت حسن منٹو کرتا ہے) زمان و مکان میں وہ خود کو افسانوی عمل کے قریب یا دور رکھ سکتا ہے، وہ واقعات اور کرداروں کے سلسلے میں گرم جوشی یا سرد مہرانہ پسندیدگی، موضوعیت یا معروضیت تک کوئی بھی روّیہ اپنا سکتا ہے۔ وہ بڑی لطیف مہارت کے ساتھ اپنے قاری یا سامع کو افسانوی عمل یا کرداروں کی زندگیوں میں شرکت یا ان کے ساتھ تشخص حاصل کرنے کی ترغیب بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح افسانے کے ابتدائی جملے ہی قاری/ سامع کو اس مقام پر ایستادہ کر سکتے ہیں جہاں سے اس نے سب کچھ کا نظارہ کرنا ہے۔

تاریخ نگار کے پاس اس کے برعکس قیام کے لیے صرف ایک ہی مقام ہوتا ہے جو اس کا اپنا ہوتا ہے، اسے صرف ایک غیر شخصی روّیے کی اجازت ہوتی ہے، وہ صرف حقائق کے بیان کو اپنا مقصد سمجھ سکتا ہے اور تحسین و ناتحسین سے یکسر ماورا ہو کر قاری کے لیے کسی جہت (اخلاقی، مذہبی، نظریاتی) تک کا تعیّن کرنے سے بچنے کا پابند ہوتا ہے۔

ح: **قرین قیاس ہونا:** افسانہ واقعی صداقت (truth) تو نہیں ہوسکتا لیکن اسے بقول خواجہ امان دہلوی ''بمطابق تواریخ گزشتہ' یعنی حقیقی زندگی کے واقعات سے مماثل ہونا ہوتا ہے۔ کہانی چاہے جتنی بھی حیران کن ہو (مثلاً طلسم ہوش ربا، الف لیلہ، یا سائنس فکشن وغیرہ) اس کے بعض واقعات اور کردار اور ان کا انداز قصہ کے اس مخصوص افسانوی ماحول اور صورتِ حال میں ان کی پیش کش کو ایسا قابل یقین ہونا چاہیے کہ قاری بقول کالرج بخوشی اپنے ''عدم یقین'' کو رضا کارانہ طور پر معطل کر دے۔ اس کے برعکس تاریخ نگار نہ تو قاری کی خوش اعتقادی اور پسند کے مطابق کردار و واقعات اور تاریخ کو ڈھال سکتا ہے اور نہ ہی عجیب وغریب تاریخی حقائق کو مانوس اور قابل یقین بنانے کے بارے میں سوچ سکتا ہے تاہم اس کے بیان وتوضیح میں اس نے اپنی مہارت کو اس طرح استعمال ضرور کرتا ہے کہ سب کچھ قابل فہم ہو جائے۔

ط: **داخلی وقت:** ہر کہانی خود اپنا ایک داخلی یا اندرونی وقت رکھتی ہے۔ یعنی لمحوں، ساعتوں، دنوں یا برسوں کا دورانیہ جو افسانے کے آغاز سے انجام تک کے بیانیہ دورانیے میں گزر جاتا ہے اور یہ افسانے کے زمانِ قرأت سے بالکل مختلف ہوتا ہے یعنی برسوں پر محیط کہانی محض چند منٹوں میں پڑھی جا سکتی ہے یا پھر اس کے برعکس لمحوں کے واقعہ کا بیان گھنٹوں پر محیط ہو سکتا (جیمز جوائس کا یولیسز ملاحظہ ہو)۔ لیکن ''تاریخی بیانیے کے معاملے میں یہ سوال اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ 'زمانِ افسانہ' (story time) 'زمانِ حقیقی' سے کیا مطابقت رکھتا ہے کیوں کہ فکشن کے برعکس یہاں یہ دونوں تصوّراتِ زماں ایک ہی سلسلہ وقت (time sequence) سے تعلق رکھتے ہیں۔''[۵]

علاوہ ازیں تاریخ نگار اور اس کا قاری دوران وقت میں اپنے اپنے مقام سے آگاہ ہوتے ہیں اور انہیں تاریخی کہانی کے دورانیۂ وقت کا بھی متعیّن علم ہوتا ہے اور یوں وہ دونوں ہی ایک احساس تاریخیت (historicity) کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ بات افسانہ نگار اور اس کے قاری میں مشترک نہیں ہوسکتی کیوں کہ وہاں تعیّن زماں ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ تاریخ کے حوالے سے ایک عہد کے مصنف اور قاری میں احساس شراکت ہوسکتا ہے یعنی وہ مشترکہ تاریخ کے مالک ہو سکتے ہیں یا اس کے برعکس ہوسکتا ہے البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تاریخ اور کلچر کا اشتراک افسانے کی تفہیم کو بھی آسان بنا دیتا ہے۔

ی: **اختتام:** ایک اچھا افسانہ بس اچانک ختم ہو کر بے نتیجہ نہیں رہ جاتا بلکہ اس کا اختتام اس کے آغاز کی طرح بڑی احتیاط سے معنی خیزی اور اشاریت کے باعث منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ کہانی کے آغاز اور وسط کے واقعات کا لازمی اور منطقی نتیجہ محسوس ہوتا ہے (یا اسے محسوس ہونا چاہیے) اور پوری کہانی کی معنویت کی تکمیل یا انکشاف کرتا ہے۔ جبکہ تاریخ نگار اپنی تمام تر خواہش (؟) کے باوجود اپنے بیانیے کو ایک مخصوص من پسند 'انجام' تک نہیں لاسکتا کیوں کہ رواں دواں زندگی میں اسے کوئی ایسا مقام ملتا ہی نہیں، بعض اوقات جہاں وہ رکتا ہے تھوڑا سا غور کرنے پر اسے لگتا ہے کہ یہ تو تاریخ گزشتہ کا کوئی لازمی یا منطقی نتیجہ ہرگز نہیں ہے کیوں کہ سلسلۂ تاریخ میں ان گنت تاریخی کرداروں اور ہر عہد کے انسانوں کا انبوہ کثیر ملوث ہوتا ہے اور اس کے ان گنت دھاگے باہم الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے تاریخ نگار اپنے بیان کردہ واقعہ کی مکمل توضیح پیش کر ہی نہیں سکتا۔ ''ہم اس وقت تک کسی تاریخی واقعے کا صحیح صحیح بیان کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ ہم اس کے نتائج وعواقب سے مکمل طور پر

آ گاہ نہ ہوں، اور ایسا زماں (time) کے انجام سے پہلے ہونہیں سکتا۔''[۶] اس لیے تاریخی بیانیہ افسانے کے برعکس ہمیشہ کسی منطقی انجام سے محروم رہتا ہے۔ کیوں کہ تاریخ کا مطالعہ یہی بتاتا ہے کہ تاریخ کے سلسلہ ہائے واقعات میں انسانی منطق چلتی ہیں ہے۔

فکشن اور تاریخ کے بیانیوں میں مذکورہ مماثلتیں اور مشابہتیں اور امتیازات (بعض اوقات تضادات) ان دونوں کے متناقص(Paradoxical) تعلق کو واضح کرتے ہیں۔ تاریخ اور فکشن دراصل انسانی کلام/ ڈسکورس کی دو منفرد اور اہم صورتیں ہیں جو باہمی اخذ و قبول سے طاقت حاصل کرتی رہی ہیں۔ خاص طور پر یورپی صنعتی انقلاب اور سرمایہ دارانہ نظام کے تقاضوں کے تحت جو فکشن وجود میں آیا اس نے قدیم رومانس، داستانوں اور قصّوں کے مافوق الفطری انداز سے گریز کر کے انسان کی واقعی زندگی پر توجہ مرتکز کی کیوں کہ یہ نشاۃ الثانیہ کے بعد کی یورپی علمی، تہذیبی اور سماجی صورتِ حال کا بنیادی تقاضا تھا کہ کسی بھی مابعد الطبیعاتی اور مافوق الفطری حقیقت کے بجائے ایسی ٹھوس سماجی حقیقت کو اہمیت دی جائے جسے انسان کے حواس اپنی گرفت میں لا سکتے ہیں۔ یہ جدید سائنسی علوم کا بنیادی اصول تھا جو سماجی علوم حتیٰ کہ نئی ادبی اصناف پر بھی اثر انداز ہوا۔ تاریخ تو خیر پہلے ہی اصل تاریخی واقعات ہی کے بیان کو بنیادی اہمیت دیتی تھی اگرچہ تاریخ کے قدیم محرر کے خود اپنے اعتقادات اور تصوّرات اس کے بیانیے کا حصہ بھی بن جاتے تھے لیکن فکشن کے لیے یہ نئی بات تھی کہ فیلڈنگ اور رچرڈسن وغیرہ نے اپنے ناولوں کو تواریخ (Histories) کا نام دیا۔ سر والٹر سکاٹ نے یورپ کی گزشتہ تاریخ کے تناظر میں تاریخی ناول لکھے جو قدیم تاریخی حقیقت کی تشکیل نو کے نئے انداز تھے۔ گزشتہ تاریخی واقعات کے تاریخی بیانیے سے قریب تر رہنے کی خواہش کے باوجود سر والٹر سکاٹ کے یہ تاریخی ناول مطلوبہ تاریخ معروضیت کا نہ تو دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں تاریخ سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح لیوٹالسٹائی کا شہرہ آفاق ناول 'جنگ اور امن' (War and Peace)نپولین کے روس پر دھاوے کی ایسی حقیقت پسندانہ مصوری کرنے کے باوجود، کہ جس کا کوئی تاریخ نگار خواب تک نہیں دیکھ سکتا اس عہد کی تاریخ کا متبادل نہیں ہے۔

برصغیر میں جدید فکشن نے قدیم داستانوں اور اندازِ قصّہ گوئی کی جگہ لینا شروع کی تو یہاں صورتِ حال یورپ سے کہیں زیادہ مختلف اور پیچیدہ تھی۔ یہاں نہ تو صنعتی انقلاب کا آغاز ہوا تھا اور نہ ہی نئے سرمایہ دارانہ نظام کی شروعات دکھائی دیتی تھی یہاں کا محکوم سماج جو خود اپنی قدیم مذہبی اور تہذیبی روایات کے شکنجوں میں جکڑا ہوا تھا اس آزادانہ فلسفیانہ سوچ اور آزادانہ علمی جستجو سے بھی آشنا نہیں تھا جو خاص طور پر انیسویں صدی کے یورپ کا اصل الاصول بن چکی تھی۔ اس لیے یورپی تعلیمی اور تہذیبی اداروں اور نوآبادیاتی استعمار کی ضرورتوں کے تحت جو نئی ادبی اصناف سامنے لائی جارہی تھیں وہ صدیوں کی مستحکم مقامی (Indiginous)ادبی اور تہذیبی روایات اور اصناف سے مختلف تھیں اس لیے یہ شروع میں مغربی اصنافِ ادب کی نقالی اور چربہ سازی(mimicry) سے زیادہ کچھ نہیں تھیں اس لیے ہندوستانی اہلِ دانش کے ساتھ ساتھ خود برطانوی لوگوں کو بھی کافی کچھ مضحکہ خیز ہی لگتی تھیں لیکن وہ کیوں کہ بعض استعماری مقاصد کو پورا کرنے میں معاون ہوسکتی تھیں اس لیے ابتداً درسی ضروریات کے پیشِ نظر مقامی زبانوں میں لکھی جانے والی ان کچی پکی کتابوں پر سرکاری انعامات بھی عطا کیے جاتے رہے۔ ادبی تخلیق میں نقالی(mimicry) سنجیدگی سے کی جائے تو یہ خود حاکمیت کا منہ چڑانے اور اُس کا مضحکہ اُڑانے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین، نواب آزاد، منشی سرفراز حسین، عبدالحلیم شرر حتیٰ کہ مولوی نذیر احمد کے بعض ناولوں کا اس اندازِ نظر سے مطالعہ بہت دلچسپ ہوگا۔ (اکبر الہ آبادی کی شاعری کا ایک بڑا حصہ تو واضح طور پر نئی مغربی تہذیب کا مضحکہ اُڑاتا ہے)

انگریز مستشرقین نے انیسویں صدی ہی میں خاص طور پر ہندوستانی تاریخ، کلچر، مذاہب، اساطیر اور دیگر مختلف علمی و ادبی

روایات کے بارے میں یورپی نقطۂ نظر سے نئے بیانیے تشکیل اور بعض مقامی افراد کی حوصلہ افزائی کی تا کہ وہ بھی اس انداز کو اپنا ئیں اس لیے یہاں مقامی زبانوں میں بھی نئی تاریخیں اور علمی و ادبی کتابیں سامنے آئیں جو اگرچہ (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا) انگریزی کتابوں اور اصناف کا چربہ تھیں لیکن نئی تعلیم کے توسّط سے یورپی علم و ادب اور ثقافتی روایات سے آگہی بڑھی تو ان نو تشکیل یافتہ یورپی بیانیوں کو شک کی نظر سے بھی دیکھا جانے لگا اور مقامی سطح پر ایسے بیانیے تشکیل کرنے کی کوششیں ہونے لگیں جو خود ہندوستانیوں کی حقیقی اور واقعی صورت احوال کو پیش کر سکیں اس طرح یہاں کے اہل قلم کا یورپ کے ساتھ معاشقہ بتدریج مناقشے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ جس سے خاص طور پر ہندوستانی زبانوں کے فکشن نے یورپی فکشن سے مماثل ہو کر بھی اپنی الگ شناخت بنالی۔ اس طرح ہندوستانی فکشن کے تخلیق کاروں نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ یورپی استعمار کے حربوں کو خود اس کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا جس کی اس سے قبل مثال نہیں ملتی تھی۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں ہندوستانی زبانوں میں تخلیق شدہ فکشن ہم عصر تاریخی حقائق سے اس طرح ہم آہنگ ہوا کہ اس دور کے تاریخی بیانیے بھی اس سے پیچھے رہ جاتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس دور کے فکشن اور تاریخی بیانیوں کا اس حوالہ سے تقابل و تجزیہ بے حد بصیرت افروز ہو سکتا ہے۔ ان دونوں بیانیوں میں کچھ مماثلتیں تو ضرور دکھائی دیں گی لیکن زیادہ تر تاریخ کیوں کہ استعماری تعلیمی اداروں کی ضرورتوں کے پیش نظر لکھی گئیں اس لیے یہ استعماری پالیسیوں اور ضرورتوں کے پیش نظر تاریخ نگاری کی مطلوبہ معروضیت سے کافی حد تک محروم ہیں جب کہ یہاں تخلیق شدہ فکشن (ناول اور افسانہ) مذکورہ تاریخی بیانیوں میں سے بے دخل کردہ، مسخ کردہ یا دبائے جانے والے واقعات اور حقائق کی زیادہ دیانتدارانہ پیش کش کرتا دکھائی دیتا ہے جس کا ادراک نوآبادیت پسندانہ مطالعۂ کلام (Postcalonial Discourse Studies) کے طریق ہائے مطالعہ و تحقیق و تفتیش سے ہونے لگا ہے۔ ہندوستانی زبانوں کے فکشن کا اس انداز کا تفصیلی مطالعہ برصغیر کی تحریر شدہ تاریخ کے ڈسکورس اور افسانوی ڈسکورس کے مابین مماثلتوں اور امتیازات کو واضح کرے گا۔ خیال یہ ہے کہ اس مطالعہ میں امتیازات بلکہ تناقضات اور تضادات کا پلّہ بھاری رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر 'ارسطو سے ایلیٹ تک' نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء، ص ۱۰۲

۲۔ خواجہ امان دہلوی بحوالہ گیان چند جین 'اُردو کی نثری داستانیں' انجمن ترقیٔ اردو، کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۶

3. Stanford, Michael (1994) "A Companion to the Study History" Oxford, Blackwell , P.170

4. Hayden White (1989) Edited Ralph Cohen P.26

5. Micheal Stanford (1994) "A Companion to the Study History" Oxford, Blackwell P.91

6. Arthur C. Danto, (1965) Analytical Phylosphy of History Combridge University Press P.61